TAHREER
Journal of Languages & Literature
eISSN:3007-2085
pISSN:3007-2077
تحریر
Vol. 4 No. 2 (2026) HEC approved in the Y category.

A Literary and Linguistic Analysis of "Ikhtilaf-ul-lissan" (Munshi Wajahat Hussain Jhanhanvi)

''اختلاف اللسان''(منشی وجاہت حسین جھنجھانوی)کاادبی ولسانی تجزیہ

Dr. Sadaf Naqvi[1*], Atiyah Fatima[2]
[1]Assistant Professor, [2]MPhil Scholar, Urdu Department, Government College Women University, Faisalabad
***Corresponding Email:** sadafnaqvi@gcwuf.edu.pk
DOI: https://doi.org/10.65827/tahreer.v4i2.83

Abstract

Language, as a living and evolving phenomenon, is constantly shaped by the forces of time and place. Its vocabulary, idioms, orthography, pronunciation, grammatical gender, and singular-plural forms undergo continuous transformation, reflecting the dynamic nature of human communication. Within the history of Urdu, the Deccan School in South India and the literary centres of Delhi and Lucknow in North India have played a pivotal role in shaping its linguistic and literary identity. Among these, the schools of Delhi and Lucknow established many of the linguistic and literary norms that continue to influence Urdu today.

It is within this context of linguistic diversity and variation that Munshi Wajahat Hussain Jhunjhanvi's "Ikhtilaf-ul-Lisan" assumes particular significance. First published in 1906 by Rifah-e-Aam Steam Press, Lahore, the work has recently been revived through the scholarly efforts of Dr. Muhammad Arshad Owaisi, who edited and prepared the text for republication by the National Language Promotion Department, Islamabad, in 2023.

The volume opens with a detailed introduction outlining the life and intellectual contributions of Munshi Wajahat Hussain. This is followed by the author's own introductory remarks and a comprehensive preface that explains the purpose, scope, and methodology of the study. Organized alphabetically, the book examines issues of masculine and feminine usage in Urdu, highlighting variations in linguistic practice across different regions and traditions.

From a linguistic standpoint," Ikhtilaf-ul-Lisan "is a work of remarkable scholarly value. Wajahat Hussain employs linguistic terminology with clarity and precision,

making complex issues of language accessible to students and researchers alike. His discussion transcends mere prescription, offering a comparative exploration of linguistic usage. In doing so, the work anticipates key concerns of modern linguistics, particularly the study of variation, difference, and convergence within language systems.

More than a descriptive catalogue of linguistic distinctions, "Ikhtilaf-ul-Lisan "represents a pioneering attempt to liberate Urdu linguistic inquiry from rigid conventionalism. At a time when language was often treated as a static and formal entity, Wajahat Hussain approached it as a living organism, shaped by historical development, phonetic evolution, and cultural interaction. The book thus provides a framework for understanding Urdu within its broader social and historical context.

Although numerous studies have been written on the distinctions between the Delhi and Lucknow schools, "Ikhtilaf-ul-Lisan" remains one of the most important contributions to Urdu linguistics. Its scope extends beyond questions of gender usage to encompass phonetic subtleties, cultural expressions, and regional linguistic practices. This breadth of vision gives the work enduring relevance and secures its place among the foundational texts of Urdu language studies.

The efforts of Munshi Wajahat Hussain Jhunjhanvi as author and Dr Muhammad Arshad Owaisi as editor have not only preserved an important chapter of Urdu's linguistic heritage but have also illuminated new possibilities for future scholarship. By connecting historical linguistic inquiry with contemporary scientific and digital approaches, "Ikhtilaf-ul-Lisan" continues to inspire researchers seeking to understand the evolving nature of Urdu.

Ultimately, the book stands as both a testament to the richness of Urdu's linguistic tradition and a significant scholarly resource, bridging the past and the future while enriching the study of language in all its complexity.

Keywords:
Linguistic, Orthography, Delhi, Lucknow, Alphabetically, Scientific, Ikhtilaf-ul-lissan, Munshi Wajahat Hussain Jhanhanvi

Received: 10-04-2026 **Revision:** 20-05-2026 **Accepted:** 10-06-2026 **Online:** 30-06-2026

This article is licensed under the Creative Commons Attribution (CC BY 4.0).
Free use, distribution, and reproduction permitted with proper citation of the original work.
© The Author(s).

زندہ زبانوں میں زمانی و مکانی ہر دو اعتبار سے الفاظ و ترکیب، محاورات، املا و تلفظ، تذکیر و تانیث اور واحد جمع جیسے لسانی معاملات و مسائل میں نت نئی تبدیلی و ترامیم کا ارتقائی سفر رواں دواں ہے۔ جنوبی ہندوستان میں دبستان دکن اور شمالی ہندوستان میں دہلی اور لکھنو بہت اہمیت کے حامل ہے۔ دہلی اور لکھنو کے دبستان نے اردو کے لسانی وادبی معیارات قائم کیے۔

ان دبستانوں کے لسانی اختلافات کے حوالے سے منشی وجاہت حسین جھنجھانوی کی یہ تصنیف "اختلاف اللسان" (جو پہلی بار ۱۹۰۶ میں رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی)، حالیہ دور میں ڈاکٹر محمد ارشد اویسی کی ترتیب و تہذیب کے ساتھ ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد سے ۲۰۲۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب کے مقدمے میں منشی وجاہت حسین کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ مقدمے میں کتاب کا اصل متن شامل ہے جس کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے کہ وجاہت حسین وجاہت کا ایک صفحے پر مشتمل ابتدائیہ، آٹھ صفحات پر تمہید جس میں کتاب کے تعارفی مباحث بیان کیے گئے ہیں۔ الف بائی ترتیب ۲۰۵ الفاظ کی تذکیر و تانیث کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ۲۰۵ الفاظ میں سے ۱۸۴ لکھنو اور ۲۱ الفاظ دہلی سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ تمام اثرات اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زبان کسی بھی معاشرے کو پروان چڑھانے اور اس معاشرے کی نشو و نما میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ دوسری جانب کسی بھی زبان کے زندہ ہونے کے بارے میں جاننا ہو تو اس کے ادب سے واقفیت اختیار کرو کیونکہ ادب وہ کھڑکی ہے جس کے ذریعے آپ بادشاہوں کے محلات سے لے کر مفلسی اور غریبی میں جلتے چولہے تک رسائی حاصل کرتے ہے۔ "دہلی" زبان کی بات کی جائے تو اس میں داخلیت کا عنصر کیوں شامل ہے؟ اور لکھنو میں خارجیت کیوں ہے؟ دہلی کی شاعری میں انسانی جذبات واحساسات کے ساتھ تصوف کا رنگ دکھائی دیتا ہے۔ شعراء کے الفاظ کا چناؤ، سوز و گداز پر مبنی ہوتا ہیں۔ مثال کے طور پر میر تقی میر، مرزا غالب، مومن خان مومن کے ساتھ ساتھ درد کی کے کلام میں یہ رنگ دکھائی دیتا ہے۔ دوسری جانب لکھنو کی اگر بات کی جائے تو ظاہری حسن پرستی، نسائیت، عیش و عشرت اور الفاظ کی ادائیگی میں تلمیح اور استعارہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ شعراء میں امام بخش ناسخ، خواجہ حید علی آتش، انیس و دبیر وغیرہ شامل ہیں۔

وجاہت حسین جھنجھانوی کا وطن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر تھا۔ آپ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان جھنجھانہ میں حکیموں کے نام سے مشہور تھا۔ وجاہت کے والد مولوی مخدوم جلیل القدر عالم دین، فصیح اللسان واعظ اور باکمال مفکر تھے۔ عالی دروازہ کی عظیم الشان مسجد لاہور میں درس و وعظ دیا کرتے تھے۔ مالی طور پر وہ پنجاب کے ایک سرکاری محکمے میں محض پچاس روپے ماہوار پر محافظ دفتر کے منصب پر فائز تھے۔ لاہور کے پٹواری سید فضل شاہ کی بیٹی سے نکاح ہوا۔ وجاہت حسین کو چہ دھو بیاں واقع بھاٹی دروازہ آپ کی جائے پیدائش ہیں۔ طفل عمری میں ہی والد کے سائے سے محروم ہو گئے۔ فروری ۱۸۹۳ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اسی زمانہ میں ''پیام یار'' اور

''پیام عاشق''، وغیرہ جیسے رسالے سے متاثر ہوئے اور شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ یہ ذوق اس قدر بڑھا کہ مظفر نگر، منی بائی آگرے والی کی زبان سے داغ کی غزل سنی جس کا مطلع یہ تھا:

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا
وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا(۱)

داغ کے کے کلام نے آپ کے دل میں گھر کر لیا اور اسی بنا پر داغ کی شاگردی اختیار کرنے پر آمادہ ہوئے۔ جھنجھانہ جانے کے بعد حیدر آباد دکن میں داغ صاحب کو درخواست لکھی۔ جس کا جواب یہ تھا کہ ابھی آپ میرے برادر زادہ نواب بہاءالدین احمد خاں طلب دہلوی سے اصلاح لیں۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد داغ کی شاگردی میں داخل ہو گئے۔

وجاہت حسین صدیقی جھنجھانوی حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کے ہم عہد تھے۔ وجاہت حسین نے صحافت وادب کے میدان میں اپنا بلند مقام و مرتبہ قائم کیا۔ وجاہت حسین کی تصنیفات و تالیفات میں فتوح عبدالحمید خاں (۱۸۹۹)، اختلاف اللسان (۱۹۰۶)، انور پاشا (۱۹۲۱ء)، مصطفیٰ کمال پاشا (۱۹۲۱ء)، جنگ ترکی و یونان (۱۹۳۳ء) سیرت بلال (س ن) اور مقدمہ سید حبیب شامل ہیں۔ ان سب کے علاوہ سر سید احمد خان کی وفات پر مرثیوں، قطعات اور نظموں وغیرہ کو ''قومی ماتم'' کے نام سے شائع کیا۔

لسانیاتی نقطہ نظر سے زبان کے مطالعے کا رواج کم ہو گیا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اردو زبان میں لسانیات کی مستقبلی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ جب اردو سے تعلق رکھنے والے اس علم کی باقاعدہ تربیت سے محروم ہیں، جنہوں نے عملی طور پر کمرہ جماعت میں شمولیت کی ہو، لسانیات ان میں ابھی رچی بسی نہیں۔ اسی بنا پر لسانیات کے نظریات، تصورات کی پہچان اور اس کی رفتار کے بارے میں تعین نہ ہونے کی بنا پر اصطلاحوں کی صوتی ہیئت اور مفہوم و معنی غیر فصیح سا معلوم ہوتا ہے۔ زبان کے سائنسی مطالعے کی بات کی جائے تو یہ ایک رسمی فعل معلوم ہوتا ہے۔ دراصل یہی وہ خامیاں اور کمزوریاں ہیں جو لسانیاتی نقطہ نظر سے اُردو زبان کے باقاعدہ کام میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔ اُردو لسانیات کی موجودہ صورتِ حال پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس علم کے سائنسی اور تحقیقی مطالعے کا رواج بہ تدریج کم ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد ارشد اویسی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''اُردو دان طبقہ لسانیات کی باقاعدہ تربیت سے محروم رہا ہے، جس کی وجہ سے زبان کا مطالعہ محض ایک رسمی فعل بن کر رہ گیا ہے۔ اس تناظر میں وجاہت حسین جھنجھانوی کی تصنیف "اختلاف اللسان" ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔''(۲)

اس کتاب کا اولین مقصد اُردو دان طبقے میں لسانی نظریات اور تصورات کو روشناس کرانا ہے جس کی کمی کی وجہ سے زبان کی رفتار اور ارتقا کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ یہ کتاب ''صوتی ہیت''، اور مفہوم و معنی کے درمیان سائنسی تعلق کو واضح کرتی ہے۔ جھنجھانوی

نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ زبانوں کا اختلاف محض اتفاقی نہیں بلکہ صوتی قوانین کے تابع ہے۔ انہوں نے حروف کی تبدیلیوں کو ریاضیاتی منطق کے ساتھ پیش کیا ہے تاکہ زبان کا مطالعہ غیر فصیح اور بے غنائی سے نکل کر ایک علمی فن بن جائے۔ کتاب کا ایک اہم مقصد اردو کی جڑوں کو مقامی پراکرتوں اور قدیم ہند آریائی زبانوں میں تلاش کرنا ہے۔ یہ ان خام خیالوں کی نفی کرتی ہے۔ جو اردو کو محض ایک لشکری زبان یا ملغوبہ قرار دیتے ہیں اور اسے مستقل ارتقائی زبان کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اردو لسانیات میں اس کتاب کی اہمیت کو درج ذیل نکات سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سائنسی بنیادوں میں دیکھا جائے تو اس کتاب یعنی اردو لسانیات میں در پیش اس رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش ہے جو باقاعدہ لسانی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ وجاہت حسین نے لسانی اصطلاحات کا استعمال اس انداز میں کیا ہے کہ طالب علموں کے لیے زبان کی گہرائی تک رسائی آسان بنادی گئی ہے۔ اختلاف اللسان کو دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کے مقابل میں رکھا جائے تو یہ اس کے اختلاف اور اشتراک کو واضح کرتی ہے، جو کہ جدید لسانیات کا بنیادی تقاضا ہے۔ وجاہت حسین جھنجھانوی کی ''اختلاف اللسان'' محض ایک کتاب نہیں بلکہ اردو لسانیات کے اس جمود کو توڑنے کی ایک علمی کوشش ہے جہاں زبان کا مطالعہ صرف ایک "رسمی فعل" ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ کتاب زبان کو اس کے پورے صوتی اور ارتقائی تناظر میں سمجھنے کا راستہ دکھاتی ہے:

> ''زبانوں کا اختلاف محض اتفاقی یا حادثاتی نہیں ہے بلکہ یہ ان صوتی قوانین کا مرہونِ منت ہے جو انسانی اعضائے کلام اور جغرافیائی اثرات کے تحت عمل کرتے ہیں۔ "اختلاف اللسان" کا اصل مقصد ان پوشیدہ اصولوں کو بے نقاب کرنا ہے جن کے ذریعے ایک ہی اصل سے نکلنے والے الفاظ مختلف زبانوں میں بگاڑ نہیں بلکہ لسان کا فطری ارتقاء ہے۔''(۳)

دہلی زبان کی ابتداء پانچویں صدی ہجری میں پرتھوی راج کا خاتمہ اور مسلمانوں کی سلطنت کے قائم ہونے کا دور تھا۔ جب دہلی کو مسلمانوں نے اپنا مسکن ٹھہرایا۔ تو یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب پرانی شان و شوکت کا سورج غروب ہو رہا تھا اور ایک نئی سلطنت قائم ہونے جا رہی تھی۔ جس کی حیثیت فوجی چھاونی کی تھی جہاں الگ الگ قسم کے سپاہی یکجا تھے جس کی بنا پر مختلف زبانوں کے اصلی اور تعمیری الفاظ وہاں کی زبان میں منتقل ہوئے۔

پنجابی زبان سے: علامت مصدر "نا" آئی اور ہندی کے تمام الفاظ میں اس کو بطور مصدر استعمال کیا جانے لگا۔ مثال کے طور پر، آونا، جاونا، اٹھنا، بیٹھنا، ماضی کے لئے اور حال میں "ہے "تاہے "جیسا کہ آئے ہے، آوتا ہے جب کے مستقبل کے لئے بھی "ے گا" آئے گا" جائے گا۔ وغیرہ استعمال کیا گیا۔

حرف ندا اے حرف استفہام۔ کجا۔ حرف تمنا اور کاش۔ شاید۔ چنانچہ۔ اگر۔ جر۔ تا

فارسی: کا "بے" ہندی کے تمام الفاظ میں شامل کیا گیا جیسے بے جوڑ۔ بے ڈھب۔ بے میل۔ بے لاگ

سید محی الدین قادری اور تیش کمار چیٹر جی نے حافظ محمود شیرانی کی جزوی حمایت کی۔ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹر جی نے لکھا:

''وہ زبان جو انھوں نے سب سے پہلے اختیار کی قدرتی طور پر پنجاب کی مروج زبان تھی۔آج بھی پنجابی بولیوں میں خاص طور پر مشرقی پنجاب اور اتر پردیش کے انتہائی مغربی علاقے کی بولیوں میں زیادہ فرق نہیں۔''(۴)

وہ لکھتے ہیں:

''وہ پنجابی مسلمان جو ترکی اور ایرانی فاتحین کے جلو میں دہلی وارد ہوئے تھے نئے دارالسلطنت کے تمام ہندوستانی گروہوں میں سب سے زیادہ اہمیت کے مالک ہو گئے۔ وہ اپنی بولی بھی دلی لے کر آئے تھے اور ان کی بولی جو دلی کے شمال اور شمال مغربی اضلاع کی بولیوں سے بہت ہی اہم مطابقت رکھتی تھی نمونہ بن گئی۔''(۵)

جب اصلی الفاظ مختلف زبانوں سے مل کر نئے الفاظ کو جنم دینے لگے تو مستعار الفاظ جو کئی پہلے سے شامل تھے اب ان میں کس قدر اضافہ ہوا نا معلوم تھا۔ان سب کی بنا پر ایک نئی زبان نے جنم لیا جو اردو زبان کہلائی۔ یہ وہ زبان تھی جس نے بے شمار بکھرے ہوؤں کو نا صرف سمیٹا بلکہ ایک نئی زندگی دی اسی بنا پر اس کا نام ریختہ پڑا۔ دراصل یہ شور سینی ہندی زبان تھی۔ مخلوط زبان کی بنا پر مسلمان ہندو سب کی لاڈلی ٹھہری۔امیر خسرو نے کہا:

''حضرت دہلی کنف عدل رداد
جنت عدن است کہ آباد باد(۶)

امیر خسرو جو عقل و دانائی میں بے مثل تھے۔انہوں نے مختلف راگوں کے امتزاج سے سر اور سنگیت کی الگ دنیا بسائی۔ شاعری میں بھی اس قدر پذیرائی حاصل کی کہ ایران میں کوئی ہم مقابل نہ رہا۔ تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ تصنیف ۱۶۲۴ء میں لکھا ہے کہ ان کا ہندی کلام فارسی سے بہت زیادہ ہے۔اسپر نگر نے شاہان اودھ کے کتب خانہ میں ان کے دو مجموعے دیکھے تھے اور ان سے کچھ چیستان نقل کیے تھے۔ جس سے اس وقت کی زبان اور شعر گوئی کے رواج و معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حمد میں ایک چیستان ہے:

سب کوئے اس کو جانے ہے
پر ایک نہیں پہچانے ہے
اٹھو دھڑی میں دیکھا ہے
فکر کیا ان دیکھا ہے(۷)

لسانیاتی لحاظ سے دیکھا جائے تو اُردو ہند آریائی زبان سے منسلک ہے۔ ۱۵۰۰ ق م میں شمالی ہندوستان میں آریائی زبانوں کا آغاز ہوتا ہے۔ان کی آمد کی وجہ سے ہندوستان میں جس زبان نے پرورش پائی اس کو ''سنسکرت'' کہا جاتا ہے۔اس زبان کی بدولت ویدوں کی تخلیق ہوئی جس کی بنا پر 'ویدک سنسکرت' کہا جانے لگا۔ قدیم نمونے ہندوؤں کی عظیم کتاب 'رگ وید' میں موجود ہیں۔اس زبان نے ادب

کے 'کلاسیکی سنسکرت' کو بلند کیا۔

لسانیات ایک جدید علم ہے۔ علمی حیثیت سے زبان کی پیدائش اس کے ارتقا اور الفاظ کی ساخت، اجزائے کلام کے ظہور اور تبدیلی کے بارے میں لوگوں کا علم نا ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ ہندوستان کو زبانوں اور بولیوں کا گڑھ کہا جاتا ہے۔ یہ تمام زبانیں اور بولیاں کسی مخصوص خاندان سے نہیں جڑی بلکہ کئی قبیلے جو ایک دوسرے سے متاثر ہوئے، یہ سب الگ الگ خطوں اور لسانی حلقوں میں بٹ گئے۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے اردو ہندی کو دو زبانوں میں تقسیم کرنا درست نہیں کسی بھی ماہر لسانیات نے اس بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی۔ جان بیمز اپنی کتاب "A Comparative Grammer" جس کا ترجمہ سید احتشام حسین نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ عام بولی بہ ظاہر قدیم دارلسلطنت دہلی کے گردونواح میں پیدا ہوئی اور اس علاقے کی بولی کی ہندی شکل زبان کے اس نئے دور کی بنیاد کے لیے تدریجاً اختیار کی گئی اس میں اگر مشتقات اسما اور افعال خالصتاً اور مطلقہ ہندی کے رہے اور عام بول چال کے الفاظ بھی ہندی ہی کے باقی رہے لیکن فارسی، عربی اور ترکی کے بہت سے الفاظ اسی طرح جگہ پا گئے جس طرح انگریزی میں یونانی اور لاطینی لفظ، لیکن ان الفاظ نے کسی طرح بھی خود زبان کے ڈھانچے کو تبدیل یا متاثر نہیں کیا، یہ زبان اپنے اشتقاقی اور صوتی عناصر کے لحاظ سے ولی اور سودا کے اشعار میں بھی اسی طرح خالص آریائی بولی باقی رہی جس طرح تلسی داس اور بہاری لال کے صفحات پر اس لیے اگر کوئی شخص ہندی اور اُردو کو دو زبانیں کہتا ہے تو وہ اس مسئلہ کی نوعیت ہی کو بالکل غلط سمجھنے اور علم اللسان سے قطعاً ناواقف ہونے کا ثبوت دیتا ہے جب بعض ہنگامہ ساز آواز بلند کرتے ہیں کہ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں کی زبان اردو کے بجائے ہندی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کلرک اور محرر اس بات سے روکے جائیں کہ فارسی اور عربی کے بہت زیادہ الفاظ استعمال نہ کریں بلکہ اس کے بجائے سنسکرت سے اخذ کئے ہوئے (تدبھَو) لکھیں جن کی ہندی میں بہتات ہے اس میں کوئی نقصان نہیں کہ ایسا ہو لیکن کوئی یہ نہ کہے کہ اردو ہندی سے الگ کوئی زبان ہے۔''(۸)

اُردو زبان کو صرف مسلمانوں سے جوڑنا کیوں اہم تصور ہے؟ اُردو کی سطح میں دہلی و نوح دہلی کی بولیاں پائی جاتی ہیں تو اس کو بولنے والے نظر انداز کیوں کرتے ہیں؟ مسلمانوں کی دہلی پر حکومت ۱۱۹۳ء سے پہلے دہلی اور اس کے ارد گرد کے علاقے ہندوؤں پر محیط تھے۔ مسعود حسین خان اس بات پر رضامندی ظاہر کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں کی دہلی پر سلطنت قائم ہوئی تو یہاں پر کھڑی بولی اور ہریانوی جاٹوں کی بولیاں رائج تھی۔ اور اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" کے فقرے "دہلی پیر منش" میں جس " پیرامن " کا اطراف کیا ہے وہ جاٹوں اور گوجروں کی زبان سے جڑی تھی دراصل ان بولیاں میں عربی، فارسی الفاظ کا نفاذ انھی جاٹوں اور گوجروں نے کیا۔ حافظ محمود شیرانی اپنی کتاب ''پنجاب میں اُردو'' میں لکھتے ہیں:

''پروفیسر محمود شیرانی اردو کی ابتدا پنجاب سے اور ابتدائی ساخت پنجابی سے جوڑتے ہیں۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو

پنجابی کا وہی دور ہے جب دہلی لاہوری سے الگ بول چال کی زبان تھی۔ آٹھویں اور نویں ہجری کی کتب تاریخ و لغات سے معلوم ہوا ہے۔ لاکھ کو "لک" "گڑیا کو "گڈی" اور چقندر کو "گنگلو" یا "گانگلو" "مونگ کو "منگ" کہتے ہیں۔ پنجاب میں بسنے والے آج بھی ان الفاظ کو بول رہے ہیں۔ جس سے یہ نمایاں ہے کہ اُردو اور پنجابی زبانوں کا وہ بنیادی جزو ہے جو قدیم سے جڑا تھا اور پھر آہستہ آہستہ اُردو زبان سے خارج ہوتا گیا۔"(۹)

ڈاکٹر سہیل بخاری اُردو ہندی زبان کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"اُردو اور ہندی ایک ہی بولی کے دو نام ہیں جب اس بولی میں سنسکرت کے بول ملا کر بولتے ہیں تو اسے ہندی کہتے ہیں اور جب اس میں عربی فارسی کے بول ملا کر بول بولتے ہیں تو اُردو کہلانے لگتے ہیں۔"(۱۰)

محمد حسین آزاد نے بارنلے اور میر امن کے مطالعے سے متاثر ہو کر "آب حیات" میں لکھا ہے:

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زبان اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے لیکن وہ اپنی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر ہندوستان کے ساتھ آئی ہو۔ اس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں اور برج کا سبزہ زار اس کا وطن ہے۔"(۱۱)

صوتیہ انگریزی لفظ Phoneme کا ترجمہ ہے۔ یہ جدید اصطلاح ہے لیکن اس کی اہمیت اور متبادل تصورات قدیم زمانے سے ہی پائے جاتے ہے۔ ڈاکٹر فرتھ کے نزدیک یہ اصطلاح 'صدا' Phone کے مقابلے میں اس سے الگ اور قطعی طور پر ممتاز مفہوم کے لئے ۱۸۷۹ء میں وضع کی گئی تھی۔ صوتیہ کا بنیادی تعلق انسانی آواز کے معنی خیز نظام سے ہے۔ یہ آواز کی وہ مختصر ترین اکائی ہے جسے مزید چھوٹے ٹکروں میں منقسم نہیں کیا جا سکتا۔ الفاظ دراصل انہی مختلف آوازوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آوازوں کے درمیان یہ صوتی اختلاف یا تعدد کیوں پایا جاتا ہے؟ اس کا جواب علم الاصوات فراہم کرتا ہے۔

شان الحق حقی لسانی اختلاف کو ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہر فرد کے اعضائے صوتی دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ فرق کہ صرف آواز کی انفرادیت میں ظاہر ہوتا جو صاف پہچانی جاتی ہے بلکہ لہجے، لحن، انداز گفتار، تقریر کے اتار چڑھاؤ اور انتخاب الفاظ میں بھی موجود ہوتا ہے اور یہیں سے لسانی اختلاف کی بنیاد پڑتی ہے۔"(۱۲)

قرآن حکیم نے اسے مظاہر فطرت میں شامل کیا ہے:

"(ترجمہ) آسمان و زمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اللہ کی آیات میں سے ہے۔"(۱۳)

ہر صوتی عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک فعلی اور یہ آواز کا منھ کے کسی حصے سے ٹکرانا یا ہوا کا سرسراہٹ پیدا کرنا ہے۔ دوسرا انفعالی یہ سننے والے کے پردوں پر آواز کی لہروں کے ٹکراو اور ان ارتعاشات کا ذہن تک پہنچنے سے ہے صوتیات میں یہ دونوں عمل یعنی تلفظ

اور سماعت اہمیت کے حامل ہیں۔ کسی بھی زبان پر بات کرتے وقت ان عوامل کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ جہاں ایک جیسی آوازوں سے آگے مختلف اصوات کی ابتدا ہوتی ہے۔ وہاں قوت سامعہ ایک واضح لکیر کھینچ دیتی ہے۔ اس پہلی آواز سے دوسری اور پھر تیسری کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتی ہے۔ انسانی ذہن کی یہ ادراکی طاقت ایک لطیف اور سریع التاثر لوح کی مانند ہے جن پر صوتی سلسلے کی ہر صدا صاف ہو یا نہ ہو نشان بناتی جاتی ہے۔

کسی بھی زبان کو ترقی کی منزلیں طے کرنے کے لیے اس کے لسانی ارتقاء کو سہل بنانا لازمی ہوتا ہے۔ چونکہ کوئی بھی زبان ابتدا میں ایک مقامی بولی کی صورت میں جنم لیتی ہے اور پھر مسلسل استعمال کے ذریعے ادبی شکار کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اگر اردو زبان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ایک ان تھک جدوجہد کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس کے ڈھانچے میں عربی اور فارسی جیسی قوی اور مستحکم زبانوں کے قواعدی ضوابط کو جذب کیا ہے۔ تاہم اُردو نے عوامی لہجے سے علمی زبان تک کا سفر نہایت روانی سے مکمل کیا۔ یہ سفر ہی دراصل اس بولی کو ادب کی سطح پر منفرد پہچان عطا کرنے میں مددگار ثابت ہوا۔ کامیابی کے اس سفر کے ساتھ زبان کی تراش خراش اور اسے سنوارنے کا عمل بھی جاری رہا۔ اردو زبان کو نکھارنے کے اس عمل میں دبستان دہلی اور دبستان لکھنو کے مابین ہونے والے علمی و ادبی مباحث نے نہایت کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ پر اگر نظر دوڑائی جائی تو دہلی اور لکھنو کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے یہ دو شہروں کے نام ہمیں دراصل یہ ان دو تہذیبوں کے نام ہے جو ادبی رجحانات اور اُردو زبان کے دو اہم مرکز جانے جاتے ہیں۔ ان دبستانوں کی ادبی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُردو زبان اور ادب کو مختلف ذائقوں سے متراد ف کروایا گیا ہے۔

دہلی اور لکھنو کے ادبی مراکز کے قیام ابتدائی حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ شناخت اور تشکیلی مراحل کا دار و مدار مخصوص صوتی ذخیرے، علاقائی محاورات اور قواعد و ضوابط میں ہونے والی تبدیلیوں پر تھا۔ اس اہم لسانی پیش رفت کو دونوں دبستانوں کے نامور شعراء کے کلام اور نثر نگاروں کی تحریروں کے تقابلی مطالعے سے آسانی سے سمجھا جاتا ہے۔ لکھنو میں اُردو زبان کا آغاز اٹھارہویں صدی اور بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوتا ہے۔ یہ وہ تاریک دور تھا جب دہلی کے سیاسی و سماجی حالات کی ناچاکی کی بدولت بہت سے اہل علم ادیب اور شاعر حضرات نے دہلی کو خیر آباد کہہ دیا اور اودھ میں سکونت اختیار کر لی ان کی بدولت دبستان لکھنو کی تشکیل میں روانی پائی گئی جو کہ دبستان دہلی اور لکھنو کی تقسیم کا سبب بنا۔

زبانیں لفظوں سے مل کر جنم لیتی ہیں۔ الفاظ بامعنی ہوتے ہے اور لفظوں کی ترتیب بنا کر جملوں بناتے ہے۔ ہر زبان میں الفاظ کی ترکیب الگ ہوتی ہے کچھ میں یہ یکساں رکھے جاتے ہے اور کسی میں جوڑ دیے جاتے ہیں۔ شروع میں الگ الگ ہوتے اور دوسرے حصے میں آپس میں گھل مل جاتے ہے۔ پہلی صورت میں اسم، فعل، حرف کا کوئی فرق نہیں ہوتا لفظوں کے ہیر پھیر سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اختلاط کی صورت میں لفظوں کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ اصل لفظ جس میں دوسرے الفاظ شامل ہو کر نئے الفاظ کو جنم دے مادہ کہلاتا ہے۔ وہ وہی الفاظ

اس مادے کو نئی صورتیں عطا کرتے ہیں علامات اشتقاق کہلاتے ہیں۔اشتقاقی علامات وسیع پائی جاتی ہیں۔ان کو لفظ کے آخر میں یا ابتدا میں جوڑ دیا جاتا ہے جس سے ایک نیا لفظ تیار ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں صوتی، صرفی اور لسانی مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔سید وجاہت حسین کی تصنیف "اختلافِ اللسان" اُردو لسانیات کے میدان میں ایک ایسی تحقیقی دستاویز ہے جو زبان کو محض لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک متحرک اور زندہ وجود کے طور پر پیش کرتی ہے۔

اس کتاب میں حروف کے تبادلے،اشتقاقیات اور صرفیاتی تجزیے کے ذریعے یہ ثابت کیا گیا ہے۔کہ زبان کی جڑیں(Roots) ایک ہونے کے باوجود، جغرافیائی حالات اس کی ظاہری شکل(Morphology) کو بدل دیتے ہیں۔اس تجزیہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ "اختلافِ اللسان" نے زبان کو نئی زندگی عطا کی ہے۔اگر دوسرے معنوں میں بات کی جائے تو "اختلاف اللسان" وہ کتاب ہے جس نے ایک غیر مادہ شے کو نئے وجود میں ڈھال کر زندگی بخشی۔یہ اختلاف دراصل زبان کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔

دہلی اور لکھنؤ کے محاورات کا فرق اور دیہی و شہری لہجوں کا تقابل اس موضوع کو ایک سماجی دستاویز بناتا ہے۔مصنف نے یہ ثابت کیا کہ لسانی تغیر محض زبان کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ تہذیبی رویوں، معاشی حالات اور سماجی طبقہ بندی کا عکاس ہوتا ہے۔لکھنؤ کی نفاست اور دلی کی بے ساختگی کے پیچھے چھپے لسانی اسباب کو جس مہارت سے یہاں بیان کیا گیا ہے، وہ بے مثال ہے۔لسانی اعتبار سے یہ ایک نہایت وسیع زبان ہے جس نے مختلف پراکرتوں، مقامی بولیوں اور غیر ملکی زبانوں کو اپنے اندر سمو کر ایک منفرد رنگ اختیار کیا ہے۔یہ زبان متنوع لسانی اکائیوں کا ایک حسین امتزاج ہے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب لسانیات کے طالب علموں کے لیے ایک عملی مشق(Practical Guide) کی حیثیت رکھتی ہے۔نحوی اور معنوی تجزیے سے لے کر آوازوں کے سائنسی گراف تک، یہ کتاب ہر سطح پر محقق کو نئے سوالات اٹھانے اور زبان کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی ترغیب دیتی ہے۔

اردو لسانیات کو سائنسی بنیاد(Scientific Foundation) کو اگر موجودہ تناظر میں پرکھا جائے تو اب بھی لسانیات پر زیادہ کام "تاریخی" یا "ادبی" انداز میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب مستقبل کے محققین کو لیبارٹری لسانیات (Laboratory Linguistics) کی طرف مائل کرتی ہے۔یہ بتاتی ہے کہ آوازوں کے گراف، لہروں کا تعدد اور صوتی شدت(Intensity) جیسے پہلوؤں پر اردو میں ابھی بہت کام ہونا باقی ہے۔

سید وجاہت حسین کی 'اختلافِ اللسان' اردو کی ان چند اہم کتابوں میں شامل ہے جو زبان کے فنی اور علمی مطالعے کے لیے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہیں۔یہ کتاب صوتیات کی پیچیدگیوں سے لے کر تہذیبی و لسانی محاورات کے فرق تک ایک وسیع کینوس کا احاطہ کرتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی اہمیت علمی و تحقیقی حلقوں میں ہمیشہ برقرار رہے گی۔یہ مقالہ ثابت کرتا ہے کہ مصنف اور مرتب(ڈاکٹر ارشد

اویسی) کی یہ مشترکہ کاوش نہ صرف ماضی کے لسانی ارتقاء کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے، بلکہ مستقبل کے محققین کے لیے جدید سائنسی اور ڈیجیٹل تناظر میں تحقیق کے نئے افق بھی روشن کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ داغ دہلوی، دیوان مہتاب داغ دہلوی، حیدرآباد: رفاہ عام پریس، ۱۸۹۳ء، ص ۱۴

2۔ وجاہت حسین جھنجھانوی، اختلاف اللسان، لاہور: رفاہ عام اسٹیم پریس، ۱۹۰۶ء، ص ۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۱

4۔ سنیتی کمار چیٹرجی، ہند آریائی اور ہندی، (مترجم: عتیق احمد صدیقی)، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۱

5۔ ایضاً، ص ۱۲۱

6۔ امیر خسرو، قرآن اسعدین، لکھنؤ: منشی نول کشور پریس، ۱۸۸۵ء، ص ۲۲۴

7۔ امیر خسرو، امیر خسرو کی پہیلیاں، دہلی: ملک بک ڈپو، ۲۰۰۹ء، ص ۴۳

8۔ جان بیمز، ہندوستانی لسانیات کا خاکہ، مترجم: سید احتشام حسین، لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴۔۱۵

9۔ حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اُردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء، ص ۲۹۹

۱۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اُردو کی کہانی، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۲۵ء، ص ۳۰

11۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۲ء، ص ۱۴

12۔ شان الحق حقی، لسانی مسائل و لطائف، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء، ص ۷۷۔۷۸

13۔ قرآن الحکیم، سورۃ روم، آیت ۲۲

14- اردو میں غیر عربی حروف کا املائی ارتقا: **Orthographic Evolution of Non-Arabic Alphabets in Urdu. (2024).** ***Research Journal Tahqeeqat*, *3*(3), 167-176.** **https://www.tahqeeqat.com/index.php/Journal/article/view/112**

Romanise References

1. Daagh Dehlavi. (1893). *Deewaan Mehtaab*. Hyderabad: Rifah-e-'Aam Press. p. 14.

2. Wajaahat Husain Jhanjhānvi. (1906). *Ikhtilaaf al-Lisaan*. Lahore: Rifaa'-e-'Aam Steam Press. p. 6.
3. Ibid., p. 11.
4. Chatterji, S. K. (2006). *Hind Aara'iyai aur Hindi* (Trans. 'Ateeq Ahmad Siddiqi). New Delhi: Qaumi Council barā'e Farogh-e-Urdu Zubaan. p. 121.
5. Ibid., p. 121.
6. Amir Khusrau. (1885). *Qaraa'n As'adain*. Lucknow: Munshi Naval Kishore Press. p. 224.
7. Amir Khusrau. (2009). *Amir Khusrau ki Paheliyaan*. Delhi: Malik Book Depot. p. 43.
8. Haims, J. (1991). *Hindustani Lisaaniyaat ka Khaaka* (Trans. Syed Ehteshaam Husain). Lucknow: Danish Mahal. pp. 14–15.
9. Hafiz Mahmood Sherani. (1988). *Punjab mein Urdu*. Islamabad: Muqtadira Qaumi Zubaan. p. 299.
10. Bukhari, Suhail, Dr. (1925). *Urdu ki Kahani*. Lahore: Maktaba 'Aaliyah. p. 30.
11. Muhammad Husain Aazaad. (2002). *Aab-e-Hayaat*. Lahore: Khazina-e-'Ilm-o-Adab. p. 14.
12. Shaan-ul-Haq Haqqi. (1994). *Lisaani Masa'il wa Lataa'if*. Islamabad: Muqtadira Qaumi Zubaan. pp. 77–78.
13. Qur'aan al-Hakeem. (n.d.). Soorah Room, Aayat 22.
14. اردو میں غیر عربی حروف کا املائی ارتقا: Orthographic Evolution of Non-Arabic Alphabets in Urdu. (2024). *Research Journal Tahqeeqat*, *3*(3), 167-176. https://www.tahqeeqat.com/index.php/Journal/article/view/112